عاقبۃ الانکار

مکتبہ اشرفیہ ۲۷ نشان پاڑہ روڈ متصل مسجد ڈونگری بمبئی ۹

قال العارف الرومی

در بیان رعایت ادب و بیان وخامت و ضرر ہائے بے ادبی

از خدا جوئیم توفیق ادب — بے ادب محروم گشت از فضل رب

بد ز گستاخی کسوف آفتاب — شد عزازیلے ز جرأت رد باب

بعض ازیں اشعار دلالت است بر حرمان ثمرات آخرت للمنکرین و از آیات قرآنیہ معلوم است
کہ انکار امور آخرت ممنوع است و موجب رد و طرد است۔ لہذا رسالہ نافعہ متعلقہ انکار
مشائخ مسمّی بہ

عاقبۃ الانکار

از افادات

مسیح الامۃ مرشد الملۃ العالم الکامل و العارف الواصل حضرت الحاج الصوفی الشاہ
وصی اللہ مولانا و مرشدنا وصی اللہ صاحب فتحپوری دامت برکاتہم و مدت فیوضہم

ناشر
مکتبہ اشرفیہ
۲۷۔ نشان پاڑہ روڈ۔ مسجد۔ بمبئی ۹
قیمت :۔ ۵۰ پیسے

عرض ناشر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔ دینی تعلیم کا چرچا ایک عرصہ سے ختم ہوچکا ہے اسوقت مسلمان نہ تو اپنے بچوں کو دین پڑھاتے اور سکھاتے ہیں اور نہ خود ہی حاصل کرتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا اور نکلنا چاہیے بھی تھا کہ مسلمانوں میں دینی معلومات ختم ہوتی جارہی ہیں اسوقت مسلمان دین کی معمولی معمولی باتوں سے بیخبر ہیں اور جب وہ موٹی موٹی باتوں سے ناواقف ہیں تو پھر علماء اور مشائخ کے ادب سے کس طرح واقف ہوسکتے ہیں چنانچہ انکو اس کا مطلقاً علم نہیں کہ علماء و مشائخ کے بھی کچھ آداب ہیں یا نہیں اور انکے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے اور اگر کچھ معلوم بھی ہے تو یہ کہ علماء اور مشائخ کو نہایت درجہ وسیع الاخلاق اور نرم خو ہونا چاہیئے ان کے ساتھ کیسا ہی معاملہ کیا جائے ان کی پیشانی پر بل نہ آنا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ انھوں نے اپنے متعلق آداب و شرائط کو تو یاد نہ رکھا کہ خود انکو کیا اور کیسا ہونا چاہیئے بلکہ علماء اور مشائخ پر غلط نکتہ چینی کرنیکے لئے اور بیجا طور پر اپنے حقوق حاصل کرنیکے لئے وہ باتیں یاد کرلیں جو علماء و مشائخ سے متعلق تھیں اور انکی یہ حرکت کسقدر مضحکہ خیز ہے کہ اپنا وہ سبق تو بھلا دیا جسکو یاد رکھنا چاہیئے تھا اور علماء و مشائخ کے اس سبق کو یاد کرنے لگے جسکو یاد نہ رکھنا ہی مناسب تھا ؎

بھلا بیٹھے تم اپنا وہ سبق جو یاد رکھنا تھا
لگے رٹنے سبق اوروں کا جسکو بھول جانا تھا

کیونکہ جب نیچے کے درجہ کا سبق ہی یاد نہیں ہے تو اوپر کے درجوں کا سبق کیا خاک سمجھ میں آئیگا لہٰذا اصل ضرورت اسکی ہے کہ ہم لوگ اپنا سبق ہی یاد کریں اور اسپر عمل کریں چنانچہ ہمارے حال پر شفقت و رحم فرماتے ہوئے مصلح الامۃ مرشدی مولائی دامت برکاتہم نے ہمکو ہمارا سبق یاد دلایا ہے (جو آئندہ صفحات میں پیش ہے) اور ہمکو بتایا کہ مشائخ کے بھی کچھ آداب و حقوق ہیں منجملہ انکے ایک حق یہ ہے کہ انکا انکار نہ کرے

احقر رومی غفرلہٗ

عاقبت الانکار

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! آج مشائخ کے یہاں لوگ جو آتے جاتے ہیں اور ان سے نفع بھی چاہتے ہیں اور جب نفع نہیں ہوتا تو ان کی شکایت کرتے ہیں اور اس فائدہ نہ ہونے کی نسبت اکثر انہیں حضرات کی طرف کرتے ہیں اور اس کا سبب ان کا ہی نقص سمجھتے ہیں۔

تو جاننا چاہئے کہ لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ مقبولان الٰہی سے بدگمانی اور ان کی شان میں بدزبانی ہے جو یقیناً ایک بدعت شنیعہ اور معصیت قطعیہ ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ آج ہم پر جو ادبار ہے اسکے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں پر اس قسم کا الزام رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات اس سے بالکل بری ہیں۔

ہم اس وقت اسی مسئلہ پر کچھ دلیل سے کہنا چاہتے ہیں کہ لوگ اس خیال میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور کیا واقعی یہ مشائخ ہی کا قصور ہے یا خود انہیں لوگوں کی اپنی ہی کوتاہی اور نقص ہے جس کو ان کا نفس اور شیطان شیخ کے آئینہ میں دکھاتا ہے۔ اس موقع پر اس حکایت کا بیان کرنا بے محل نہ ہوگا جو بخاری شریف کی شرح بہجۃ النفوس میں بعض محققین سے منقول ہے۔ وھی ھذہ

حکی عن بعض الفضلاء المحققین انہ اتاہ شخص یرید السلوک فادخلہ الخلوۃ و ترکہ ایاما ثم دخل علیہ فقال لہ کیف تری صورتی عندک فقال صورۃ خنزیر فقال الشیخ صدقت ثم ترکہ فی خلوتہ ایاما ثم دخل علیہ وسالہ مثل الاولی فقال لہ صورۃ کلب ثم کذلک الی ان قال لہ صورۃ القمر لیلۃ کمالہ فقال لہ صدقت الآن کمل حالک وحینئذٍ اخرجہ من الخلوۃ

(بہجۃ النفوس ص۴۸ ج۱)

بعض مشائخ محققین کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انکے پاس کوئی شخص سلوک کے ارادہ سے آیا۔ شیخ نے اسکو خلوت میں رہنے کا حکم فرمایا اور اس کو اسی حال پر کچھ دنوں رکھا پھر ایک دن شیخ اس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ اپنے نزدیک میری صورت کیسی پاتے ہو اس نے کہا جیسے سور کی شیخ نے کہا ٹھیک کہتے ہو اور بدستور اسکو خلوت میں رکھا پھر کچھ دنوں کے بعد اسکے پاس گئے اور وہی پہلا سوال کیا (یعنی مجھکو کیسا دیکھتے ہو) اس نے جواب دیا کہ آپ (اب) مجھے کتے کی شکل میں نظر آرہے ہیں۔ الغرض اسی طرح شیخ اس سے وقتاً فوقتاً دریافت فرماتے رہے اور وہ ہر بار مختلف جواب دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے آخر میں یہ کہا کہ میں آپکو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا چودہویں رات کا چاند شیخ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہاں اب تمھارا حال درست ہوا ہے اور پھر اسکو خلوت سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔

دیکھئے اس حکایت سے معلوم ہوا کہ مرید کو اپنی ہی شکل شیخ کے آئینہ میں نظر آتی ہے وہ بزرگ تو اول دن سے بدر کامل تھے مگر یہ سب تطورات (تبدیلیاں) اس مرید ہی کے تھے جنھیں وہ

شیخ کی جانب منسوب کر رہا تھا۔ جوں جوں اس کی اصلاح ہوتی گئی وہ حقیقت سے قریب تر ہوتا چلا گیا۔

نیز مشائخ کے علاوہ آج بڑے بڑے علماء و فضلاء۔ فقہاء اور محدثین موجود ہیں اور ان کے پاس بھی ایک جماعت استفادہ اور استفاضہ کی غرض سے جمع رہتی ہے تو کیا ان پاس رہنے والوں میں سے ہر ایک فاضل و کامل ہی ہو کر نکلتا ہے؟ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ان فارغین میں سے کثرت سے نہ صرف قلیل و ناقص استعداد بلکہ فاقد الاستعداد ہی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج علماء کی جگہ جاہلوں نے لے لی ہے اور الا ماشاء اللہ کوئی ہی کوئی ان میں سے کام کا ہوتا ہے۔ جب علوم ظاہر میں یہ امر مشاہد ہے، تو کیا یہاں یہ کہنا صحیح ہے کہ دراصل وہ فضلاء و محدثین ہی ناقص ہیں۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ ان کا علم و فضل تو اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ یہ خامی اور کوتاہی پڑھنے والوں کی جانب سے ہے کہ انھوں نے ایسے علماء و فضلاء کو پا کر بھی کچھ سیکھا نہیں۔ جب یہاں یہ بات ہے اور سب کو تسلیم بھی ہے کہ بے شک علماء کا کوئی قصور نہیں تو پھر باطن کے معاملے میں مشائخ ہی کیوں مورد الزام ٹھہرائے جاتے ہیں اور یہاں بھی یہی کیوں نہیں سمجھ لیا جاتا کہ شاید مرید ہی کا قصور ہو جس کی وجہ سے انکو نفع نہیں ہوتا اور شیخ اپنی جگہ پر کامل و مکمل سب کچھ ہے۔

کیا کسی شیخ کے کامل ہونے کی شرائط میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کے سب کے سب مرید بن کامل ہوں؟ تو واقع کے بھی بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ یہ

ہو سکتا ہے کہ کوئی شیخ کامل ہو لیکن اسکے پاس آنے جانے والے اپنی خرابیوں کے سبب اس کے فیض سے محروم ہوں دیکھئے اکمل الکاملین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارک اور آپ کی صحبت پانے کے باوجود ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگ محروم ہی رہے۔ علیٰ ہذا منافقین بھی محروم رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استفادہ کے لئے شرائط ہیں اور مستفید ہیں بھی ان کا ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیساکہ مفید ہیں۔ اور باطن تو بہت زیادہ نازک چیز ہے۔ بس اس کی شرائط بھی بہت نازک ہیں۔ باطنی فائدہ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے اندر اس کی شرائط کی تحصیل کرے اور اسکے موانع کو مرتفع کرے۔ تنہا شیخ ہی کامل ہو کر کیا کرے گا اس کے لئے طالب بھی تو صادق اور مخلص ہونا ضروری ہے۔ اب اگر کوئی ان حضرات سے طریق کی شرائط کے ماتحت سیکھے ہی نہیں تو پھر اس میں ان کا کیا قصور۔؟

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زمانے میں آخر کیوں اس قدر خرلطہ ہو گیا ہے اور لوگوں سے کیوں عقل وفہم اس درجہ رخصت ہو چکی ہے کہ جس چیز کا خود اپنے روزمرہ کے ظاہری معاملات میں مشاہدہ اور اقرار ہے باطن میں اسی کا انکار ہے۔ نقص اور قصور تو اپنا ہوتا ہے اور اس کو مشائخ کے سر تھوپا جاتا ہے کیا یہ اس کا مصداق نہیں ہے کہ ؎

خود فراموشی کند تہمت دہد استاد را

اور کیا ایسا کرنا مشائخ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے اور اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کر کے اللہ تعالیٰ سے فلاح کا طالب ہونا

کہاں تک قرین قیاس ہے۔ اس کا فیصلہ آپ ہی پر چھوڑتا ہوں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بجائے اس کے کہ مشائخ پر اس قسم کے الزام رکھتے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف و اقرار کرتے اور مشائخ کا علو درجہ ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نقص کو ان کے سامنے پیش کرتے اور ان کے جملہ حقوق و آداب کی رعایت کرتے ہوئے باطنی فائدے کی تمام شرائط اختیار کرتے اور اس کے تمام موانع سے اجتناب رکھتے پھر اس کے بعد ان کی جانب سے کسی قسم کے فیض و نفع کے منتظر ہوتے تو البتہ حق بجانب ہوتے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں تمام مشائخ اس میں مجھ سے یقیناً متفق ہوں گے اور میں ان سب کی نصرت کر رہا ہوں کیونکہ اس قسم کے آنے جانے والوں سے سارے ہی مشائخ نالاں ہوں گے اور کوئی بھی ان سے خوش نہ ہوگا۔ کون یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے مریدین اچھے ہوں اور ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہوں۔ مگر اس قسم کے لوگ انھیں چلنے نہیں دیتے۔ ان کے خلاف طرح طرح کی باتیں بیان کر کے لوگوں کو ان کی جانب سے بہکاتے اور بدظن کرتے ہیں اور اگر اس قسم کے کسی آنے جانے والے کو سمجھ کر یہ حضرات اس کے خلاف کوئی معاملہ روا رکھتے ہیں یا ان کو اپنے پاس سے نکالتے ہیں تو پھر یہی لوگ ان کو بداخلاق بھی کہتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حاصل یہ کہ اس طریق میں جس طرح شیخ کامل کی طلب و تلاش

ضروری ہے اسی طرح طالب میں ارادت وخلوص۔ عقیدت ومناسبت بھی
نہایت درجہ ضروری ہے۔ جیسے بدون شیخ کامل کے اس راہ کو قطع نہیں کرسکتے
اسی طرح باوجود موجود ہونے شیخ کامل کے بھی اپنی عدم ارادت وعقیدت
وعدم خلوص وعدم مناسبت سے بھی حرمان لازم ہے۔ شیوخ کاملین نے
جس طرح طریق میں شیخ کامل کو تجویز کیا ہے۔ اسی طرح طالب میں ارادت اور
لوازم ارادت کو بھی شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب
قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز خلف الرشید وخلیفۂ ارشد حضرت امام ربانی مجدد
الف ثانی قدس سرہٗ السامی جو کہ اپنے وقت کے ایک نہایت مسلم ومستند بزرگ
اور اکابر طریق میں سے گزرے ہیں مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب صد و
بلیست ودیکم میں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

پس باعثِ توقف سالک وسدراہ او درین طریق ہیچ نشد غیر از سستیٔ طالب طالب صادق کہ در صحبت کامل افتد و شرائط طالب کہ اکابر قرار دادہ اند بجا آرد امید است کہ البتہ واصل گردد۔

پس سالک کے توقف کا سبب اور اس طریق میں اس کے لئے سدِّراہ سوا طالب کی سستی کے اور کوئی چیز نہیں ہے جو طالب صادق کہ کسی کامل کی صحبت اختیار کرے اور طلب کی وہ تمام شرائط جنھیں اکابر طریق نے معتبر قرار دیا ہے بجالائے تو امید ہے کہ وہ ضرور واصل ہوجائے گا۔

مکتوبات معصومیہ ص۵ جلد ۳

اور اگر طالب میں لوازم طلب وارادت نہ ہوں تو یہ حضرات اس کو طالب
ہی نہیں لکھتے بلکہ بوالہوس کہتے ہیں۔ جیساکہ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب
رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب میں جو آپ نے منشی محمد قاسم صاحب کے نام

لکھا تھا۔ حضرت عارف شیرازی ؒ کا یہ شعر نقل فرمایا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص بوالہوس کہلاتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

سعدیا کنگرۂ عشق بلند است بلند دست ہر بوالہوس آنجا نفضولے نرسد

(سعدی! عشق کا کنگرہ بلند اور بہت بلند ہے جھوٹے عاشق کا ہاتھ وہاں تک بیکار نہیں پہنچ سکتا ۱۲ رومی) مکتوبات یعقوبیہ صفہ

نیز حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ قصد السبیل میں طالب کی شان اور طلب کے لوازم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "(سالک) توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے بھی یہ عزم رکھے کہ اللہ ورسول کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری ہو اور گو مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو اور گو کوئی نفسانی دنیوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے برداشت کریں گے اور اللہ ورسول کی اطاعت ہاتھ سے نہ دیں گے اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ طالب حق نہیں ہے (یہ بوالہوس ہے) کیونکہ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی[1] بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں[2] شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

---

[1] اے دل بہتر تو یہی ہے کہ مے گلگوں سے تو خراب ہو جائے اور بغیر خزانہ اور دولت کے قاروں سے زیادہ تو شان والا ہو جائے [2] لیلیٰ کی راہ میں جس میں کہ ہزاروں خطرے جان کو ہیں پہلے قدم کی شرط یہی ہے کہ تو مجنوں ہو جائے ۱۲ رومی

اب ہم اکابر طریق کے نقول اور ان کی تصریحات پیش کرتے ہیں تاکہ اس کا یقین ہو جائے کہ منکر کے لئے حرمان وخذلان لازم ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ طالب راہ حق کے لئے طریق میں کیا کیا امور ضروری ہیں اور شیخ کامل کی طلب وتلاش کا کیا طریقہ ہے اور طریق کے کیا شرائط واصول ہیں؟ چنانچہ اس طریق میں انکار کا تو گزر ہی نہیں۔ اس کے متعلق حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں:

اگر اینجا انکار بود حرمان عظیم باشد کہ منکر بجائے نرسد مخذول ومطرود بود صاحب عوارف میگوید من انکر ہم ضل واعتدیٰ ومصدق اگرچہ بدرجۂ ایشاں نرسیدہ است امید است کہ تصدیق او را در خدمت وصحبت ایشان آرد وا و را بکمال رساند وعارف سبحان گرداند (السنۃ الجلیلہ ص۵۴)

اگر یہاں انکار ہوا تو حرمان عظیم ہوگا کیونکہ منکر شخص کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا وہ تو سوا مخذول اور مطرود ہونے کے کچھ اور پا ہی نہیں سکتا صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ان حضرات (اولیاء اللہ) کا انکار کیا تو وہ گمراہ ہوا اور اس نے حد سے تجاوز کیا اور ان حضرات کی تصدیق کرنے والا اگرچہ ان کے درجہ کو نہ پہنچے تاہم امید ہے کہ ان حضرات کی خدمت و صحبت میں جس تصدیق کو لیکر وہ آیا ہے وہی اس کو درجہ کمال تک پہنچا دے اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کا عارف بنا دے۔

اور علماء نے بھی بیان فرمایا ہے کہ غیر مصدق ترقی سے بھی بالکل محروم رہتا ہے چنانچہ مجمع البحار میں ہے کہ:-

لایقنع بدرجۃ من الدرجات الا	کسی ایک ہی درجہ کو لیکر دیگر درجات سے
احد الرجلین اما غیر مصدق لتلک	قناعت صرف دو ہی شخص کر سکتے ہیں ایک تو
النعمۃ الخطیرۃ او سفیۃ لایھتدی	جو اس نعمت عظیمہ کا مصدق ہی نہ ہو اور
للتجار المربحۃ	دوسرا وہ جو احمق ہو کہ سود مند تجارت کا
مجمع البحار ج ۱ ص ۶۴	طریقہ ہی نہ جانتا ہو۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ یہ اما غیر مصدق او سفیہ کہنا بطور مانعۃ الخلو کے ہے یعنی اس ایک درجہ پر قناعت کرنے والے شخص میں ان دونوں باتوں میں سے ایک نہ ایک کا ہونا ضروری ہے وہ ان دونوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ باقی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص میں دونوں وصف جمع ہوں یعنی وہ غیر مصدق بھی ہو۔ اور سفیہ بھی۔ (ناقل عفی عنہ)

نیز اکابر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح انکار سبب حرمان ہوتا ہے اسی طرح نفاق اور مشائخ کے ساتھ بے ادبی وگستاخی بھی اس طریق میں سدِّ راہ ہے جیسا کہ تحفۃ السالکین میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں:۔

حضرت ایشاں (یعنی حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے) پیر بزرگوار حضرت سید نور محمد بدایونی رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو آنحضرت کے مریدوں میں سے کہتا تھا۔ ایک دن اس شخص نے بدبختی میں آکر آنحضرت کے حضور میں سخت بے ادبی کی اور

بہت برُا بھلا کہا۔ جس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ دوسرے دن وہ شخص حاضر ہوا تاکہ آنحضرت سے توجہ واستفادہ حاصل کرے۔ میں نے چاہا کہ اس کو سزا دوں۔ آنحضرت نے مجھکو منع فرمایا اور اس شخص پر اس طرح متوجہ ہوئے جس طرح دوسرے مخلصوں پر توجہ فرمائی تھی۔ فقیر اس بات سے بہت تنگدل ہوا اور اس کو تمام مخلصوں کے برابر سمجھنے کے باعث آنجناب کی خدمت میں ملتمس ہوا تو فرمایا۔ مرزا صاحب اگر میں اس کو سرزنش اور ملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ میں نے تیرے سینے میں ایک نور امانت رکھا تھا اور میرے بندوں میں سے ایک اس نور کو طلب کرنے آیا تو تو نے اسکو کیوں محروم رکھا تو اس وقت میں کیا جواب دیتا کہ الہیٰ اس آدمی نے مجھ کو گالی دی تھی اس لئے میں نے محروم رکھا۔ اور کیا یہ جواب مقبول ہوتا۔ کچھ مدت تک میں تنگ دلی کے ساتھ خاموش رہا تو تھوڑے دنوں کے بعد آنجناب نے فرمایا کہ اے بچہ اگرچہ میں نے اس کو مخلصوں کی طرح توجہ دی ہے مگر حق تعالیٰ منافق کو کب برابر جانتا ہے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ کام کی حقیقت خدا کے ہاتھ میں ہے فیض صرف مخلص اور مودب دوستوں کو پہنچتا ہے۔ اس قصہ ہی کی مثال ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کے جنازے کے لئے جس نے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی تھی اس کے بیٹے نے جو مومن مخلص تھے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التجا کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے نماز جنازہ پڑھیں اور اس کے

نے بخشش کی دعا مانگیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کے لئے کھڑے
ہو گئے مگر حضرت عمرؓ مانع ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ وہی شخص ہے
جس نے فلاں روز ایسا کہا ویسا کہا اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (یعنی اگر آپ ستر بار بھی منافقوں کے
لئے مغفرت طلب کریں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہیں بخشے گا) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا قول نہ سنا اور فرمایا کہ میں اس کے لئے
ستر دفعہ سے بھی زیادہ بخشش طلب کروں گا۔ آخر الامر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس منافق کے حق میں اللہ تعالیٰ نے آپکی
استغفار قبول نہ کی اور آیت نازل ہوئی۔ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ
اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (یعنی منافقوں میں سے کسی کے لئے کبھی نماز جنازہ
نہ پڑھیے اور اس کی قبر پر مت کھڑے ہو جیے۔ پھر ایک اور آیت نازل ہوئی
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ
یعنی آپ منافقین کے لئے استغفار کیجیے یا نہ کیجیے حق تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں
بخشے گا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کے جنازے کی
نماز نہیں پڑھی۔ (تحفۃ السالکین صفحہ ۳۰ و ۳۱)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ نفع کے لئے اخلاص شرط ہے رفیض صرف

له مطبوعہ نسخہ تحفۃ السالکین میں بھی اسی طرح ہے غالباً یہ سہو کاتب ہو ورنہ تو دوسری آیت سورۃ منافقون کی ہے جو اس طرح ہے سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ الآیہ ۱۲ عیسیٰ

مخلص کو ہوتا ہے اور منافق اور بے ادب بزرگوں کے فیض سے محروم رہتا ہے۔
نیز علماء کی تصریحات ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مشائخ
کی بے ادبی اور گستاخی موجب حرماں ہے اسی طرح ان کے سامنے تکبر و
انانیت اور خود بینی بھی اس طریق میں ایک بڑا مانع ہے۔ چنانچہ شیخ
سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی ہے اور اس کی سرخی
ہی یہ قائم فرمائی ہے کہ "حکایت اندر محرومیِ خویشتن بینان" جس کے
تحت یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ :۔

یکے در نجوم اندکے دست داشت	ولیک از تکبر سرمست داشت
ایک شخص علم نجوم میں تھوڑا سا دخل رکھتا تھا	لیکن تکبر کی وجہ سے مخمور و سرمست تھا
بَرِ کوشیار آمد از راہِ دور	دلے پُر ارادت سرے پُر غرور
دور دراز کا راستہ طے کر کے کوشیار کے پاس آیا	لیکن حال یہ تھا کہ دل میں تو ارادت بھی اور سر پر غرور تھا
خردمند ازو دیدہ در دوختے	بکش حرف خدمت بیاموختے
وہ مرد عقلمند اسکی جانب سے اپنی توجہ ہٹائے ہوئے تھا	چنانچہ ایک حرف بھی اسکو نہیں سکھلایا
چو بے بہرہ عزم سفر کرد باز	بدو گفت دانائے گردن فراز
بالآخر جب اس بے بہرہ نے واپسی کا ارادہ کیا	تو اس اونچی گردن والے عقلمند (کوشیار) نے کہا
تو خود را گماں بردہ پُر خرد	انائے کہ پُر شد دگر چوں برد

تو نے چونکہ اپنے آپکو عاقل و کامل سمجھ رکھا تھا اس لئے بے بہرہ واپس ہو رہا ہے کیونکہ جو برتن بھرا ہوا ہو دوبارہ کیونکر بھرا جا سکتا ہے)

ز دعوے تہی آئے تا پُر شوی	تو از خود پُری زاں تہی میروی
جا دعوی سے خالی ہو کر آ تا کہ تو بھرا جا سکے	اور چونکہ تو اسوقت خود پہلے سے پُر ہے اسلئے خالی جا رہا ہے

تہی گر دو باز آئے پر معرفت ز ہستی در آفاق سعدی صفت

خالی ہو جا تو پھر اسکے بعد تو معرفت سے پُر آئے گا اپنی ہستی سے دنیا میں سعدی کی مانند

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ جس ارادت میں آمیزش کبر و خود بینی کی ہو وہ صحیح ارادت ہی نہیں ہے جو اہل طریق کے نزدیک مدار فیض ہے پس ایسی ناقص ارادت کا ثمرہ بھی محرومی ہی ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے کہ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد

یعنی جس شخص نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا اور جو خود بینی میں پڑ گیا وہ محروم رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خادم ہی ایک دن مخدوم بھی ہو جاتا ہے۔ پس مخدوم ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ انسان پہلے خادم بنے پھر وہ خدمت ہی اسکو مخدومیت کے مرتبہ پر پہنچا دے گی۔ اسی کو حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں کہ ؎

ہر آنکس کہ گردن بفرماں نہد بسے بر نیاید کہ فرماں دہد

جو شخص خدا کے حکم پر گردن جھکا دیگا تو زیادہ وقت نہیں گزریگا کہ وہ خود حکم دینے لگیگا

اس سے معلوم ہوا کہ فرمانروائی فرمانبرداری کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یہی حال اور دوسرے کمالات کا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج جو طالب ہے کل کو وہی مطلوب ہوگا۔ محب ہے تو محبوب ہو جائے گا، قابل ہے تو قبول ہو جائیگا اگر آج عاشق ہے تو کل کو وہی معشوق ہو جائیگا۔ مرید ہے تو مراد ہو جائے گا۔

اسی طرح علمائے فن نے یہ بھی تصریح فرما دی ہے کہ طالب کو راہ حق کی طلب میں کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ شیخ العرب والعجم سیدنا و مولانا حضرت حاجی

امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ سے ایک دن ایک شخص نے سوال کیا کہ طالب راہ حق کو کیا کیا ضرورت ہے۔ فرمایا کہ اول طالب شئے کو لازم ہے کہ وہ حقیقت و ماہیت شئے مطلوبہ دریافت کرے تاکہ رغبت اس کے حاصل کرنے کی دل میں پیدا ہو پس جو شخص کہ ارادہ کرے کہ صوفیوں کے طریق (وراہ حق) پر چلے اولاً ماہیت و حقیقت و غایت تصوف (کہ راہ حق ہے) معلوم کرے بعد ازاں ان کے اعتقادات و آداب ظاہری و باطنی کو سمجھے خصوصاً اطلاقات کو کہ ان کے حال و قال و تصنیفات میں آتے ہیں جانے اور خاص خاص اصطلاحات کہ ان کے کلمات میں پائی جاتی ہیں۔ ان سے واقف ہو تاکہ وہ تابعداری ان کے افعال و اقوال و احوال کی کر سکے کیونکہ کثرت مدعیان کذاب سے حال محققان باصواب کا مجہول ہو کر فساد واقع ہوتا ہے۔

(از امداد المشتاق ص۲)

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں محققان باصواب کے ساتھ مدعیان کذاب بھی بکثرت موجود رہے ہیں اور طالب اگر ان کے پہچاننے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ غلطی میں پڑ جاتا ہے جس کا نتیجہ فساد کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے طالب کے لئے لازم ہے کہ تجویز شیخ میں غایت درجہ اہتمام کرے تاکہ دھوکا نہ ہو۔

علماء نے فن کی کتابوں میں پیر کے تلاش کرنے کا طریقہ بھی بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ بیہقیِ

فرمایا کرتے تھے اپنی مشہور کتاب ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ مسئلہ جب کمالات باطنی کا طلب کرنا واجبات سے ہے تو پھر ایسے پیر کا تلاش کرنا ضروری ہے جو کامل بھی ہو اور کامل بنا دینے والا بھی ہو کیونکہ ایسے پیر کے سلسلے کے بغیر خدا تک رسائی نہایت قلیل اور بہت نادر ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

نفس را نکشد بغیر از ظل پیر ۔۔۔ دامن آں نفس کش محکم بگیر

(نفس کو تو بس شیخ ہی مار سکتا ہے لہذا اس نفس کش کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ ۱۲۔ ناقل)

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ لوگ بزرگوں کے پاس جب جائیں تو ان کا انکار اور عیب جوئی نہ کریں اور آج لوگ اس پہلی ہی منزل میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ یہ سچے مشائخ کی خدمت میں اگر پہنچ بھی جاتے ہیں تو ان کا ادب و احترام جیسا کہ اہل طریق کے نزدیک معتبر ہے نہیں کرتے اس لیۓ محروم رہتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی رح تو ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ مشائخ کی صحبت کے لائق ہی نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ؎

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلس شاہ ۔۔۔ ہر کرا نیست ادب لائق صحبت نشود

(یعنی اے حافظ تم علم اور ادب سیکھو اس لئے کہ بادشاہ کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل ہی وہ شخص نہیں جس کو ادب نہیں ہے)

حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ جو شخص بدون ادب کے بادشاہ کا ہم نشین ہوگا تو اس کی جہالت کا انجام ایک نہ ایک دن اس کے قتل کی شکل میں نمودار ہوگا (کیونکہ ادب نہ ہونے کی وجہ سے

کبھی نہ کبھی اس سے ضرور کوئی ایسی بے ادبی صادر ہو جائے گی جو بادشاہ کے خلاف مزاج ہوگی اور وہ اس کی وجہ سے اس کو قتل کرا دیگا۔

(رسالہ قشیریہ)

ادب دنیا میں بڑی چیز ہے اور ہر ایک کا ادب اس کے شایان شان ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک ادب ہوتا ہے حق تعالیٰ کا اور ان کے احکام (اوامر و نواہی) کا جس کے متعلق حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ :۔

من لم یعرف ما للہ عز و جل علیہ فی نفسہ و لم یتادب باوامرہ و نواہیہ کان من الادب فی عزلۃ (قشیریہ)

جس شخص نے یہ بھی نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ کے اس کے نفس پر بھی کیا حقوق ہیں اور حق تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے آداب سے متادب نہ ہوا تو ایسا شخص تو ادب سے گویا بالکل کنارہ کش ہی ہے (یعنی ادب سے بالکل کورا ہے)

اسی طرح ایک ادب ہوتا ہے اہل اللہ کا جس کے متعلق حضرت ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں کہ جب مرید ادب ترک کر دے تو وہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس ہو جائے گا (یعنی شیخ کے فیض سے بالکل محروم رہ کر اس کے پاس سے بے نیل مرام واپس جائے گا) اور شیخ نوری رح فرماتے ہیں کہ من لم یتادب للوقت فوقتہ المقت (یعنی جس شخص نے وقتی آداب ہی نہیں سیکھے تو سمجھ لو کہ اس کا سارا وقت مقت یعنی ناراضگی ہی میں گزر رہا ہے) بزرگوں کے پاس جانا تو بہت ہی آسان ہے لیکن ان کا حسن ادب نہایت دشوار امر ہے اور یہ وہی

شخص کر سکتا ہے جو موفق من اللہ ہو چنانچہ اس کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک مستقل سرخی قائم فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ :

"از خداوند ولی التوفیق در خواست توفیق رعایت ادب در ہمہ حال بیان کردن وخامت و مضرتہائے بے ادبی۔"

اور اس کے بعد فرماتے ہیں سہ

از خدا جوئیم توفیق ادب ۔۔۔ بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔۔۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(ہم خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق طلب کرتے ہیں کیونکہ بے ادب شخص حق تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب انسان خود اپنا ہی نقصان نہیں کرتا بلکہ ساری دنیا میں اس کی بے ادبی سے آگ لگ جاتی ہے۔ ۱۲ ناقل)

یہاں اس مقام کے لئے مناسب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کلام بھی نقل کر دیں جسے انھوں نے اپنی کتاب فتاویٰ حدیثیہ میں بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ پر کس قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں ان کے اعتراض کی وجوہ اور خود اس کا انجام کیا ہوتا ہے وھذا نصہٗ :-

وکثیر من النفوس اللتی یراد بہا عدم التوفیق اذا ارادت من استاذ ہا شدۃ فی التربیۃ تنفر منہ وترمیہ بالقبائح والنقائص مما ھو منہ بری و لیجذر الموفق من ذالک فان النفس لا تریدہ ۔۔۔ اور بہت سے وہ نفوس جن سے عدم توفیق کا ارادہ کیا جاتا ہے (یعنی جب توفیق ہوتے ہیں) جبکہ وہ اپنے شیخ سے تربیت کے باب میں کچھ سختی دیکھتے ہیں تو ان کے یہاں سے بھاگ نکلتے ہیں اور ایسے ایسے عیوب اور نقائص کا

الاهلاك صاحبها الا ليلقيها في
الاعتراض على شيخه ان راه على ادنى
حال حيث امكنه ان يخرج افعاله على
تاويل صحيح ومقصد مقبول شرعًا۔
ومن فتح الباب التاويل للمشائخ و
اغضى عن احوالهم ووكل امرهم الى الله
تعالى واعتنى بحال نفسه جاهدها
بحسب طاقته فانه يرجى له الوصول الى
مقاصده والظفر بمراده في السر والعلانية
في اسرع زمن ومن فتح باب الاعتراض
على المشائخ والنظر في افعالهم والبحث
عنها فان ذالك علامة حرمانه وسوء
عاقبته وانه لا يفلح۔

ان پر الزام لگاتے ہیں جن سے وہ بالکل بری
ہوتے ہیں اور موفق شخص کو تو اس قسم کے
امور سے بہت ڈرنا اور خوف کرنا چاہیے
کیونکہ نفس تو اپنے صاحب کو ہلاک ہی کرنا
چاہتا ہے (پس) اپنے شیخ پر اعتراض کے
بارے میں تو (ہرگز) اسکی اطاعت نہیں کرنی
چاہیے اور اگر اس کو کسی ادنی حال پر دیکھے
بھی تو جہاں تک ہو سکے اس کے افعال کو
کسی صحیح محمل پر اور ایسے مقصد پر محمول
کرے جو شرعًا مقبول ہو۔

اور جس شخص نے مشائخ کے لئے تاویل
کا دروازہ کھولا اور ان کے احوال سے چشم پوشی
کی اور ان کے معاملے کو اللہ تعالی کے حوالے
کیا اور خود اپنے نفس کی فکر میں لگا رہا اور
حسب طاقت اس کے ساتھ مجاہدہ بھی کرتا رہا
تو ایسے شخص کے لئے بہت ہی تھوڑے
زمانے میں اپنے مقصد کی وصولیابی اور ظاہر و
باطن میں اپنی مراد کے پالینے کی امید کی جاتی
ہے اور (برخلاف اس کے) جس شخص نے مشائخ

رسائل ابن عابدین ص ۲۹۲ / ۲۵

پر اعتراض کا دروازہ کھولا اور انکے افعال و
احوال پر (مخالفانہ و معاندانہ) نظر کی اور اسکی
جستجو میں پڑا تو یہ اس کی محرومی کی علامت اور
اس کے سوء عاقبت کی نشانی ہے اور ایسا شخص
کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ مشائخ پر اعتراض اور انکار وہی شخص کیا کرتا
ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلوب التوفیق ہوتا ہے اور منشاء اس کے انکار کا یہ
ہوتا ہے کہ ایسا شخص اپنی خواہشات نفس کو تو اچھا سمجھتا ہے اور اس پر راضی
رہتا ہے اور ان حضرات کی تعلیم و تربیت کو (جو کہ عین شفقت پر مبنی ہوا کرتی
ہے) سخت جانتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے مشائخ
کے افعال کی تاویل کی اور اپنے نفس کے اور اس کی اصلاح میں لگا رہا ۔ وہ
اس طریق میں بہت جلد کامیاب ہوتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس نے
ان پر اعتراض کا دروازہ کھولا اور اپنے کو دیکھنے کے بجائے انھیں حضرات
کے افعال کے ادھیڑ بن میں لگا رہا تو یہ اس کے عدم فلاح، حرمان اور (العیاذ
باللہ) سوء خاتمہ کی علامت ہے۔

چنانچہ آج دیکھا بھی یہی جاتا ہے کہ کسی شخص پر اعتراض اور انکار وہی
کرتا ہے جس کو اس کے یہاں سے کچھ نہیں ملا ہوتا اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں ہے
بلکہ لوگوں کی یہ عادت قدیمہ ہے۔ چنانچہ امام غزالی رح۔ نے اس پر قرآن شریف
کی اس آیت سے استدلال کیا ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ نہایت

عمدہ استدلال ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِیْمٌ یعنی اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔ یعنی جب کفار مکہ کو قرآن کریم سے کوئی ہدایت نہ ملی تو بجائے اس کے کہ اس کو اپنا نقص سمجھتے کیونکہ ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اور اسکے احسان تو ہیں عام شہید کلب پر — تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اور ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

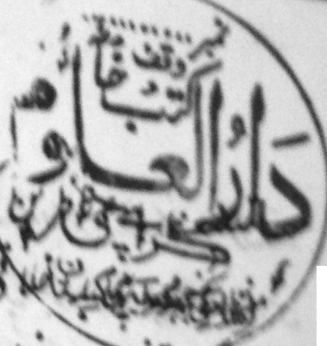
برعکس اس کے قرآن کے متعلق کہنے لگے کہ ھٰذَآ اِفْكٌ قَدِیْمٌ (یہ تو قدیمی جھوٹ ہے)

یہی حال آج لوگوں کا مشائخ کے ساتھ ہے کہ جب اپنی خامیوں کی بنا پر ان سے فیض نہیں پاتے تو یا تو سرے سے انکار ہی کر دیتے ہیں اور یا کوئی نہ کوئی عیب ان میں لگا دیتے ہیں جس طرح کہ لومڑی انگور کے خوشے پر بہت کچھ اچھلی کودی مگر جب اس کو حاصل نہ کر سکی تو یہ کہہ کر واپس ہوئی کہ نگوڑے انگور کھٹے ہیں اور میں تو اس قسم کے لوگوں کی ایک اور مثال بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک عورت اپنے شوہر کی بالکل معتقد نہ تھی حالانکہ وہ تھے ولی کامل۔ ایک دفعہ رات کو اڑے اور اپنے محلے کی طرف نکلے۔ چنانچہ سب نے دیکھا اور ان کی بیوی نے بھی دیکھا۔ پس کر بیوی نے ان سے کہا کہ تم کو ناحق اپنے کو ولی

کہتے ہو، ولی تو رات ہم نے دیکھا ہے کہ ہوا پر اُڑے جا رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ اچھا وہ بزرگ تھے۔ کہا، ہاں پھر پوچھا کہ سچ بتاؤ وہ ولی تھے۔ کہا اس میں بھی کوئی شک نہیں! جب اس سے اچھی طرح سے اقرار کرا لیا تو کہا کہ جانتی ہو وہ بزرگ کون تھے؟ وہ میں ہی تھا۔ یہ سن کر اس نے کہا اچھا تم تھے جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اُڑ رہے تھے۔

دیکھا آپ نے، جو کسی کا معتقد نہیں ہوتا اس کے لئے انکار کے بہت سے طریقے ہیں۔ کچھ نہ بن پڑا تو یہی عیب لگا دیا کہ ٹیڑھے ٹیڑھے اُڑ رہے تھے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح سے کہ یہ طریق قدیم ہے اور مشائخ محققین ہمیشہ اور ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔ اسی طرح ہر زمانے میں ان حضرات سے دو جماعتوں کا تعلق رہا ہے۔ ان کے ماننے والے بھی ہوئے ہیں اور مخالف بھی ہوئے ہیں۔ لوگوں نے ان کی تصدیق بھی کی ہے اور کسی نے انکار بھی کیا ہے غرض ان کے ساتھ یہ تصدیق وانکار کا سلسلہ برابر رہا ہے اور جب کہ دونوں قسم کے لوگ موجود رہے تو ان مشائخ نے ان دونوں جماعتوں کے ساتھ مختلف برتاؤ بھی کیا ہے۔ یعنی مخلص اور مصدق کو تو قریب کیا ہے اور منکر و منافق کو اپنے یہاں سے نکالا اور دور کیا ہے بلکہ اگر ان کو ذرا سا شبہ اس امر کا ہوا ہی کہ یہ شخص ان کو حقیر سمجھ رہا ہے تو اس سے بات تک کرنا گوارا نہیں کیا گیا ہے۔ اس بارے میں مشائخ کے بے شمار واقعات معتبر کتابوں میں موجود ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند واقعات تصوف کی معتبر کتاب رسالہ قشیریہ سے جو (امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری الشافعی نیشاپوری کی مشہور و معروف



[illegible] کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ان لوگوں کو جو
[illegible] کے باوجود اخلاق کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کے
داروگیر، تنبیہ اور اخراج کو (جوکہ حقیقۃً اخراج نہیں ہوتا بلکہ شرائط داخلہ
کی تحصیل کی جانب ملتفت کرنا ہوتا ہے) بداخلاقی سے تعبیر کرتے ہیں۔ فی الجملہ
مشائخ مصلحین کے طرز کا علم ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ یہ کوئی نیا
طریقہ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں بزرگوں کا اس پر عمل رہا ہے
اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ افسوس کہ اس زمانے میں پہلے جیسے بزرگ نہ رہے
نہیں ورنہ ان منکرین کی خوب قلعی کھلتی اور جو لوگ اس زمانے میں کچھ
کام کرنا بھی چاہتے ہیں تو وہ بے چارے انھیں منکرین کے ڈر سے کچھ
کہتے نہیں کہ یہ لوگ الٹے انھیں حضرات کو بداخلاق کہہ کے بدنام
کریں گے۔

صاحب رسالہ قشیریہ باب حفظ قلوب المشائخ وترک الخلاف علیہم
میں شیخ کی مخالفت اور انکار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق رحمۃ الله یقول بدأ کل فرقۃ المخالفۃ یعنی بہ ان من خالف شیخہ لم یبق علی طریقتہ وانقطعت العلقۃ بینہما وان جمعتہما البقعۃ فمن صحب شیخا من الشیوخ ثم اعترض علیہ بقلبہ	میں نے اپنے استاد حضرت ابو علی دقاق رحمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر فرقت کی ابتدا مخالفت سے ہوا کرتی ہے۔ یعنی جس شخص نے اپنے شیخ کی مخالفت کی تو وہ اس کے طریقہ پر باقی نہیں رہ گیا اور ان دونوں کے درمیان کا رشتہ بے وہ منقطع ہو گیا اگرچہ (اس کے بعد)

فقد نقض عهد الصحبة ووجبت عليه توبة على ان الشيوخ قالوا حقوق الاستاذين لا توبة منها

وہ دونوں ایک ہی جگہ پر رہیں اس لئے کہ جو شخص بھی مشائخ میں سے کسی شیخ کی خدمت میں رہا پھر اس پر اپنے قلب سے اعتراض بھی کر دیا تو اس نے عہد صحبت فسخ کر دیا اور اس پر توبہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اگرچہ مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے مشائخ کے حقوق (تلفی) کی توبہ ہی نہیں ہے

(قشیریہ ۲۵۹)

پھر آگے امام نے انکار اور اعتراض کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے استاذ ابو علیؒ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ سہل بن عبداللہ نے ایک شخص کی بزرگی کی تعریف کی جو کہ بصرہ میں روٹی پکانے کا کام کرتے تھے سو اس تعریف کو سہل بن عبداللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے سنا اور سن کر زیارت کا اشتیاق ہوا چنانچہ ملاقات کے لئے چلا یہاں تک کہ بصرہ پہنچ کر اس طباخ کی دوکان پر پہنچا اور ان بزرگ کو دیکھا کہ وہ (تنور) میں روٹی پکا رہے ہیں اور جیسا کہ نانبائیوں کی عادت ہوتی ہے اپنی داڑھی پر ایک کپڑا باندھے ہوئے ہیں (یہ دیکھ کر) اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ولی ہوتا تو ان کے بال بغیر نقاب کے بھی نہ جلتے (اس طور پر دل میں ان کا انکار کر کے) پھر ان کو سلام کیا اور ان سے کچھ سوال کیا ان بزرگ نے فرمایا کہ اے شخص تو نے مجھ کو حقیر جانا ہے۔ پس تجھ کو میرے کلام سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ یہ کہا اور (اس کے علاوہ) اس سے کوئی بات کرنا پسند نہ کیا۔

دیکھا آپ نے یہ حضرات منکر کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ فرماتے تھے۔ نیز اس واقعہ سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ منکر شخص بزرگوں کے فیض اور ان کے نفع سے محروم رہتا ہے۔
اس کتاب میں ایک دوسرا واقعہ یہ نقل فرماتے ہیں کہ ا۔
"میں نے شیخ عبد الرحمٰن سلمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عبد الرحمٰن رازی نے ابو عثمان
حیری سے سنا کہ وہ محمد بن فضل بلخی کا وصف بیان فرما رہے ہیں اور ان کی تعریف کر
رہے ہیں۔ یہ سن کر (عبد الرحمٰن رازی) کو محمد بن فضل کی ملاقات کا اشتیاق ہوا
چنانچہ ان کی زیارت کے لئے گئے لیکن محمد بن فضل کے متعلق جیسا اعتقاد (ان کی
تعریف وغیرہ سن کر) لے گئے۔ قلب میں ان کو دیکھ کر اس درجہ وقعت نہ ہوئی جب
ابو عثمان حیری کے پاس لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا تم نے ان کو کیسا پایا؟
انہوں نے بھی کہہ دیا کہ جیسا سمجھ کر گئے تھے ویسا نہیں پایا۔ یہ سن کر ابو عثمان نے
کہا کہ بات یہ ہوئی ہوگی کہ تم نے ان کو حقیر سمجھا ہوگا اور (طریق کا یہ قاعدہ ہے
کہ) کسی نے کسی کو نہیں حقیر سمجھا مگر یہ کہ اس کے فائدے سے محروم کر دیا جاتا ہے
(یعنی جو شخص کسی کو حقیر سمجھتا ہے وہ اس کے فیض سے محروم رہتا ہے) لہٰذا پھر
تم ان کی خدمت میں جاؤ اور عظمت و احترام کے ساتھ جاؤ پھر دیکھو کہ نفع
ہوتا ہے یا نہیں) چنانچہ عبد اللہ (یعنی وہی عبد الرحمٰن رازی) دوبارہ پھر (اس
طریقے سے) گئے اور ان کی زیارت سے بہت نفع ہوا۔
دیکھئے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بزرگ سے اخذ فیض کے لئے
قلب میں ان کا ادب و احترام کا ہونا ضروری ہے۔ بدون اس کے محرومی کے
سوا کچھ حاصل نہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک بات یہ سمجھئے کہ علماء یہ جو فرماتے ہیں کہ اس طریق میں انکار کی کھپت نہیں تو یہ بالکل صحیح ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انکار کی نحوست ہی بہت بری ہوتی ہے جس طرح ایک طرف اس کا اثر منکر پر یہ ہوتا ہے کہ وہ قطعی محروم رہتا ہے اسی طرح بعض مرتبہ اس کی وجہ سے خود شیخ پر بھی فیض بند ہوجاتا ہے جس کا اثر دوسرے مریدین پر پڑتا ہے کہ وہ سب کے سب بھی فیض سے محروم ہوجاتے ہیں

وصحبة المنکر علی اولیاء اللّٰہ تعالیٰ تورث فتقا یصعب علی الخیاط رتقه وتوقع خرقا یعیی الواعظ رتقه

اور اولیاء اللہ کے منکر کی صحبت ایسی ادھیڑ اور پھٹن پیدا کردیتی ہے جس کا رفو کرنا درزی کو بھی دشوار ہوتا ہے اور ایسا شگاف پیدا کردیتی ہے جس میں واعظ بھی پیوند نہیں لگا سکتا۔

ومن غریب ما یحکی ان الجنید قدس سرہ جلس یوما مع خاصة اصحابه وقد اغلق باب المجلس حذرا من الاغیار وشرعوا یذکرون اللّٰہ تعالیٰ فلم یتم لهم الحضور ولا فتح لهم باب التجلی الذی یعهدونه عند الذکر فتعجبوا من ذلک فقال الجنید هل معکم منکر حوضنا بسببه فقالوا لا ثم اجتهدوا فی معرفة المانع فلم یجدوا الا النعل المنکر فقال الجنید من هنا

حکایات غریبہ میں سے ہے کہ حضرت جنید قدس سرہٗ ایک دن اپنے خواص اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور اپنے کو اغیار سے بچانے کے لیے مکان کا دروازہ بند کرکے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے، لیکن جیسا حضور قلب اور جیسی تجلی کہ حسب معمول ذکر کے وقت ہوا کرتی تھی اس دن مفقود تھی۔

چنانچہ سب لوگوں کو اس پر تعجب ہوا کہ آخر کیا بات ہے) اتنے میں حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ

قہ میں کوئی منکر شخص تو نہیں آگیا جس کی نحوست سے ہم آج محروم ہوگئے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت کوئی منکر تو ہم میں نہیں معلوم ہوتا۔ پھر سب کے سب واقع دریافت کرنے کی فکر میں لگے۔ بالآخر پتہ ملا۔ بجز کسی منکر کے ایک پیر کے جوتے کے (جسے کوئی مرید غلطی سے بدل لایا تھا) حضرت جنیدؒ کو جب اس کا پتہ چلا تو فرمایا کہ بس معلوم ہوا اس کی نحوست ہے اور یہی ہماری محرومی کا سبب ہے۔ پس اے مخاطب اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ دیکھ اور سبق لے کہ جب تنہا فقط منکر کے ایک جوتے کا یہ اثر ہو سکتا ہے تو اگر کہیں خود کوئی منکر ہی اپنی داڑھی سمیت (کسی شیخ کی مجلس میں) حاضر ہو جائے تو تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے (کہ کیسی محرومی ہوگی)

اذ ذاک الحرمان برحمت اللہ تعالیٰ فاذا کان ھذا شؤم المنکر فما ظنک بما اذا حضر بلحیتہ

روح المعانی
صفحہ ۹۴
جلد ۱۰

دیکھا آپ نے انکار کی نحوست کہ حضرت جنیدؒ جیسا ولی کامل جو اولیاء اللہ کے سردار اور اس طائفہ کے امام گزرے ہیں۔ جب ان پر فیض منکر کے ایک جوتے کے آجانے سے بند ہو سکتا ہے تو اور دوسرے مشائخ کے یہاں مستقل منکر پہنچکر کیا کچھ خلل اندازی نہ کریگا۔ اسی لئے یہ حضرات مشائخ انکار سے چڑھتے اور منکر سے نفرت فرماتے ہیں اور اسی

نے طریق کا مسلمہ اصول ہے کہ اس میں چوری زنا اور دیگر معصیت کی تو گنجائش ہے مگر انکار کی گنجائش نہیں۔ وجہ یہ ہے سب معاصی تو بدعملی ہے اور بدعمل مخلص اصلاح کے لئے طریق میں داخل ہو سکتا ہے لیکن انکار تو بد اعتقادی ہے۔ لہٰذا اسکی گنجائش نہیں (ناقل ١٢)

جس طرح علمائے باطن نے پیر تلاش کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے اسی طرح یہ حضرات اس کو بھی بیان فرماتے ہیں کہ شیخ کے اندر کن کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے جن کی رعایت کرتے ہوئے کسی کو شیخ تجویز کرنا چاہئے۔ اس کے لئے ہم یہاں سید المفسرین حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب خلف عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے رسالہ بیعت کی عبارت درج کرتے ہیں جس میں شاہ صاحب نے پہلے بیعت طریقت کی تعریف اور اس کی ضرورت بیان فرمائی ہے اور اس کے بعد شیخ کے اوصاف کا بیان کیا ہے چنانچہ ارقام فرماتے ہیں کہ:-

اما بیعت طریقت پس حقیقتش آنکہ مرد عاصی
کہ عمر را در غفلت و معصیت گزرانیدہ ہرگاہ بہ بینہ
خیال متنبہ می شود و ندامت می کشد و رجوع
بسوئے تقوی و طاعات خواہد و حصول این معنی
بدون تعلیم عالم متقی بظاہر و باطن خود دشوار
فہمیدہ تلاش شخصے چنیں کردہ دست بدست وے
[illegible]

بہرحال بیعت طریقت پس اس کی حقیقت یہ ہے
کہ کوئی عاصی شخص جس نے کہ اپنی عمر کو غفلت اور معصیت
کے موروں میں صرف کی ہو جب اسکو اپنے اس حال پر
تنبہ ہو (یعنی اس کی درستگی کا خیال آوے) اور (حالات
گزشتہ) پر نادم ہو کر تقویٰ اور طاعت کے کاموں
کی جانب رجوع کرنا چاہتا ہو تو یہ چیز بدون کسی عالم
کے جو ظاہراً اور باطناً متقی ہو اپنے اوپر دشوار سمجھے

حصول ملکۂ طب و معالجہ باین قدر اصلاح مزاج و دفع مرض دشوار است۔

ہوئے یونہی بطور خود حادثۃً وقوع پذیر نہیں ہوا کرتی کیونکہ شریعت کی کتابوں کا مطالعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی طب کی کتاب کی مراجعت کی جائے اور یہ سب جانتے ہیں) کہ بیمار کے لئے بغیر اس کے کہ اسکو طب میں اور معالجہ میں ملکہ اور مہارت حاصل نہ ہو محض اتنے سے مزاج کی اصلاح اور مرض کا دفع کر لینا بہت دشوار ہے۔

یہاں تک توبیت کی حقیقت اور اس کی ضرورت کا بیان تھا۔ آگے انتخاب شیخ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

وہمچنیں بقول ہر عالمے عمل کردن موجب تحیر است کہ ہر یکے صحیح الفکر و الحواس نمی باشد پس بنا بر ایں ضرورت مرے را کہ باوجود علم و تقویٰ دو صفت داشتہ باشد یکے عدم مساہلت و مداہنت در مقام امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ دوم شناختن آنچہ بحال طالب افضل و سہل است پس ایں چنیں کس را اختیار کنند در تمام امور خود را بدست او سپارد و متابعت او بر خود لازم گیرد تا مراد خود رسد و ثمرہ

اور اسی طرح ہر عالم کے قول پر عمل کر لینا تحیر اور تشتت (پریشانی) کا سبب ہے کیونکہ ہر عالم بھی صحیح الفکر اور صحیح الحواس نہیں ہوا کرتا۔ لہذا اس ضرورت کے ماتحت (کسی کو اپنا شیخ اور مصلح مقتدا اور پیشوا بنانے کے لئے) ایسے مرد کا انتخاب کرنا چاہئے کہ جو علاوہ علم و تقویٰ (ان دو اوصاف کے) دو اور اوصاف سے متصف ہو ایک تو یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں تساہل اور مداہنت کو روا نہ رکھتا ہو دوسرے یہ کہ طالب کے مناسب حال۔ سہل اور افضل جو امور ہوں ان کی

ایں رسیدن است بہ نجات کلی در عقبیٰ و دخول او در جناب اعلیٰ و تحصیل رضائے مولیٰ۔

(رسالۂ بیعت ص۳۲)

شناخت میں ماہر ہو پس ایسے شخص کو اختیار کرے اور اپنے تمام امور کی لگام اس کے ہاتھ میں دیدے (یعنی باب اصلاح میں اسکو اپنے اوپر اختیار کلی دیدے) اور اسکی اتباع کو اپنے اوپر لازم پکڑے تاکہ اپنی مراد کو پہنچے اور اس پہنچنے کا ثمرہ اور نتیجہ آخرت میں نجات کلی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی اور مولیٰ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

علماء کی ان مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ مشائخ سے فیض اور فائدہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انکار نہ ہو انکی شان میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کی گئی ہو اور ان کے یہاں کبر و غرور اور خود بینی وغیرہ لیکر نہ جائے ورنہ بجز محرومی اور ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں اور جس طرح ان امور کا پایا جانا حصول نفع کے لئے شرط ہے اسی طرح مشائخ محققین نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ طریق میں داخل ہونے کے بعد بھی سالک کے لئے سلوک کے کچھ اصول ہیں کہ ان کی رعایت کرنے ہی پر وصول ممکن ہے ورنہ ان کے ضیاع کی وجہ سے محرومی لازم ہے۔ چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ نے لکھا ہے کہ انما حرموا الوصول لتضییعہم الاصول یعنی لوگ وصول الی اللہ سے اصول طریق کو ضائع کرنے کی وجہ سے محروم ہو گئے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ طریق کے اصول کیا ہیں تو اس موضوع پر ہمیں نے حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ سے زیادہ عمدہ کلام کسی کا نہیں دیکھا اس لئے ہم ان کی مشہور کتاب "نہج العمال" سے جو انھیں کی ایک دوسری کتاب کنز العمال" کی تلخیص ہے طریق کے وہ اصول جو اس میں بیان کئے گئے ہیں یہاں بعینہ درج کرتے ہیں۔ وھی ھذہ

منها اكل الحلال وهو اهم المحصول لان
الحلال يثيب ثواب عبادة لم يفعلها الشخص
والحرام يبطل ثواب عبادة فعلها الشخص
توضيحه شخص تعب في النهار بسبب الكسب
الحلال وكانت له وظيفة عبادة في الليل
فاتت منه بسبب التعب فلا شك انه
يعطى ثواب تلك العبادة من اكل الحرام
اولبس الحرام فالغالب انه لا يوفق الطاعة
وان وفق نادراً وقام الليل كله يصلي لا
يقبل الله صلوته لانه لا يخلو عن رياء
او سمعة او عجب فيبطل ثوابها ورد من
شترى ثوبا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام
لم يقبل الله صلوته ما دام عليه منه شئ
رواه احمد عن عمر رض قال ذوالنون رح وجوه
الحلال خمسة تجارة بالصدق وصناعة
بالنصح وصيد البر والبحر والميراث
حلال الاصل وهدية من موضع ترضاها
وقال المهدى رض اجمع العلماء على ان الحلال
المطلق ما اخذ من يد الله تعالى بسقوط الوسائط

(طریقت کے بہت سے اصول ہیں) ان کے منجملہ ایک اصل
(اکل حلال ہے اور وہ اہم الاصول ہے اس لئے کہ
حلال (روزی) تو اس عبادت کا بھی ثواب دلا
دیتی ہے جسے انسان کئے بھی نہیں ہوتا اور حرام
(کا حال یہ ہے کہ) ایک انسان کی کی ہوئی عبادت
کے ثواب کو ختم کر دیتا ہے تشریح اس کی یہ ہے کہ
مثلاً کوئی شخص ہے جو دن میں کسب حلال کرنے کی
وجہ سے تھک گیا اور شب میں کسی عبادت کے کرنے کا
اس کا معمول تھا جو اس سے تعب کی وجہ سے فوت ہو گئی
تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکو اس عبادت کا
ثواب ملے گا اور (برخلاف اسکے) جو شخص حرام کھائے
یا حرام پہنے تو اکثر تو یہی ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو طاعت
کی توفیق ہی نہیں ہوتی اور اگر شاذونادر توفیق ہوئی
بھی اور ساری رات مثلاً کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہا تو
اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائیں گے اس لئے کہ
وہ خالی از ریا و نمود یا عجب نہ ہوگی پس اسکی وجہ کر
اس کا ثواب برباد ہو جائیگا اور حدیث شریف
میں آیا ہے کہ جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا
اور اس میں ایک درہم حرام آمدنی کا شامل ہے

تو اللہ تعالیٰ اسکی نمازیں اسوقت تک قبول نہ فرمائیں گے
جب تک کہ اسکے بدن پر کپڑے کا کوئی بھی حصہ موجود
ہوگا (اس روایت کو امام احمد نے حضرت عمرؓ سے
بیان فرمایا ہے) حضرت ذوالنون رحؒ نے فرمایا ہے
کہ حلال آمدنی حاصل کرنیکے پانچ طریقے ہیں سچائی
کے ساتھ تجارت کرنا۔ خیر خواہی کے ساتھ کوئی پیشہ
اور تجارت اختیار کرنا خشکی یا بحر میں شکار کرنا۔
اور میراث جبکہ اصل مورث کا مال حلال رہا ہو اور ایسی
جگہ سے ہدیہ لینا جسکو پسند کرتا ہو۔ جہدی کہتے ہیں کہ
علماء کا اجماع ہے کہ حلال مطلق وہ ہے جو بدون
وسائط کے براہ راست اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں
سے ملے۔

ومنها حسن الخلق۔ اعلم ان حسن الخلق
هو معاملتك مع كل احد بما يسره الا
فيما يخالف الشرع۔ ثم اعلم ان الاخلاق
الحميدة كثيرة واصلها التواضع والبواقی
تدور عليه والاخلاق الذميمة كثيرة
واصلها التكبر والبواقی تدور عليه۔
ومنها مجانبة الاضداد وهو كل

اور منجملہ ان اصل کے ایک حسن خلق ہے۔ سو پہلے
یہ سمجھ لو کہ حسن خلق کہتے ہیں تمہارا معاملہ کرنا ہر شخص
کے ساتھ ایسا جس سے کہ وہ خوش ہوجائے۔ بجز
ان امور میں جو کہ خلاف شرع ہوں (کہ اس میں
رضائے مولیٰ مقدم ہے) پھر یوں سمجھو کہ اخلاق
حمیدہ یوں تو کثرت ہیں لیکن اصل ان سب کی
تواضع ہے اور بقیہ سب اسی پر دائر ہیں (سی طرح)

من ليس مقصده مقصدك۔

ومنها عدم الاعتراف باحسان الله تعالیٰ مع الاصرار علی الذنوب کما ورد فی الحدیث اذا رأیت الله یعطی العبد من الدنیا ما یحب وهو مقیم علی معاصیه فانما ذلك استدراج منه رواه احمد والطبرانی والبیهقی عن عقبة بن عامر۔

وقال ابن عطاء خف من وجود احسانه الیك ودوام اساءتك معه ان یکون ذلك استدراجاً سنستدرجهم من حیث لا یعلمون و قال ایضاً من جهل المرید ان یسیئ الادب فتؤخر العقوبة عنه فیقول لو کان هذا سوء ادب لقطع الامداد واوجب الابعاد فقد قطع المدد من حیث لا یشعر ولو لم یکن الا منع المزید وقد یقام مقام البعد وهو لا یدری ولو لم یکن الا ان یخلیك وما ترید

ومنها الزهد فی الدنیا۔ اعلم ان الذم

اخلاق مذمومہ بھی بہت ہیں اور ان سب کی اصل تکبر ہے اور باقی سب اسی پر متفرع ہوتے ہیں۔ اور منجملہ ان اصول کے اضداد یعنی ناجنس سے اجتناب کرنا ہے اور ناجنس وہ ہے کہ اس کا مقصد اور تمہارا مقصد ایک نہ ہو (آج سب سے زیادہ نقصان لوگوں کو اس سے پہنچ رہا ہے) اور منجملہ ان اصول کے گناہوں پر اصرار کر باوجود اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان کے موجود ہونے سے دھوکے میں نہ پڑنا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو باوجود اس کے کہ وہ معاصی پر قائم ہے۔ دنیا میں اسکی محبوبات عطا فرما رکھا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے استدراج یعنی ڈھیل اور اسکی آزمائش ہے اس روایت کو حضرت عقبہ بن عامر سے احمد و طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے،

اور ابن عطاءؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر برابر احسان ہونے اور اپنی جانب سے اللہ تعالیٰ کی دائمی معصیت ہونے سے خوف کرو مبادا وہ سب انعام و اکرام استدراج ہو (یعنی ڈھیل)

الاكبر الذى منع السالكين عن السلوك
حب الدنيا والآيات والاخبار فى بغض
الدنيا كثيرة نقتصر منها على آية وحديث
قال الله تعالى من كان يريد العاجلة
عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له
جهنم يصلها مذموما مدحورا وفى
الحديث حب الدنيا رأس كل خطيئة
ومعرفة الدنيا اسهم فربما يكون
الشخص فقيرا ليس عنده قوت يوم
ولا ثوب غير ما يستر عورته وهو يظن انه
فقير وهو من اهل الدنيا بعلامات وربما
يكون الشخص ذا مال ومنعة ويظن
انه من اهل الدنيا والحال انه ليس
من اهل الدنيا بعلامات ذكرناها فيما
وبعض تفاصيل الزهد ومسائله مذكورة
فى كتاب منهاج العابدين وفى مختصرات
الاحياء وفى الجملة الدنيا مبغوضة الله
والله تعالى محبوب السالك والمنافاة
بين الضدين ظاهر فافهم (منهج العمال)

ارشاد ہے) ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور
پر کہ انکو خبر بھی نہیں۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ مرید کی
جہالت سے ہے یہ بات کہ وہ تو بے ادبی کرے اور
اسکی سزا موخر ہونیکی وجہ سے وہ یوں کہنے لگے کہ
(یہ بے ادبی ہی نہیں کیونکہ) اگر یہ بے ادبی ہوتی
تو امداد منقطع ہوجاتی اور بعد یعنی دوری لازم
ہوجاتی (تو اسکو سمجھ لینا چاہیے کہ) تحقیق مدد
قطع ہوگئی ہے اور ایسی قطع ہوئی ہے کہ اسکو اس کا
شعور بھی نہیں ہوا اور اسکی دلیل یہ ہی کہ اگر ایسا
نہ ہوا ہوتا تو یہ شخص ترقی سے نہ روکدیا جاتا اور یہ
(عدم ترقی) بھی قائم مقام بعد ہی کے ہے اگرچہ وہ
اسیقدر ہو کہ تمکو اور تمہارے ارادے کو چھوڑ دیا جاوے
کہ تم جانو اور تمہارا کام جانے اور منجملہ ان اصول کے
دنیا میں بے رغبتی ہے سو جان رکھو کہ وہ مانع اکبر جس نے
بہت سے سالکین کو سلوک سے روکدیا ہے حب
دنیا ہے اور آیات وروایات دنیا کے مبغوض (عند اللہ)
ہونے میں بکثرت ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک آیتہ
اور ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ
فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا کی رغبت رکھے گا ہم

ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جسکے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دید ینگے۔ پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ ہو کر داخل ہوگا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

اور دنیا کی معرفت بھی ایک امر مہم ہے کیونکہ بسا اوقات ایک شخص فقیر ہوتا ہے دیعنی تارک کہ) اسکے پاس ایکدن کا کھانا اور علاوہ ستر ڈھانکنے کے کپڑا تک نہیں ہوتا اور وہ خود بھی اپنے کو فقیر ہی سمجھتا ہے مگر ہوتا ہے وہ دنیا دار (اسواسطے کہ وہ دل میں مال کی محبت رکھتا ہے) جسکی کچھ علامات ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات ایک شخص مالدار اور ساز و سامان والا ہوتا ہے اور وہ اپنے کو اہل دنیا میں سے سمجھتا ہے مگر وہ دنیا دار نہیں ہوتا (اسواسطے کہ وہ دنیا دار نہیں مال کی محبت دلمیں نہیں رکھتا) بعض ان علامات کی وجہ سے جنکا ہم نے اسی رسالہ میں ذکر کیا ہے اور زہد کی کچھ تفصیل اور اس کے مسائل کتاب منہاج العابدین اور مختصر الاحیاء وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے اور اللہ تعالیٰ سالک کا محبوب ہے (پس دنیا گویا اپنے محبوب کی مبغوض ہوئی اور ظاہر ہے کہ محبوب کی مبغوض شے خود کو بھی مبغوض ہی ہوتی کیونکہ محبوب بھی محبوب ہے اور اس کا مبغوض بھی محبوب ہو (یہ تو اضداد کا جمع کرنا ہوا اور اضداد کا جمع کرنا محال ہوا کرتا ہے کیونکہ ضدین کے درمیان جو منافات ہوا کرتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے خوب سمجھ لیجئے۔"

طریق کے یہ سب اصول آپ کے سامنے ہیں۔ اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ لوگونکو مشائخ کے یہاں نفع نہیں ہوتا تو اسکی وجہ کیا ہے۔ آیا یہ وجہ ہے کہ لوگ تو طریق کا حق اور مشائخ کے آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہیں مگر پھر بھی انکو فائدہ نہیں ہوتا یا یہ کہ

دراصل جو لوگ طریق میں داخل بھی ہوتے ہیں حقیقۃً وہ طریق میں داخل بھی نہیں ہوتے پھر جب لوگ خود ہی کچھ کام نہ کریں اور نہ طریق کا انکے نزدیک کوئی طریقہ ہو اور نہ کوئی اصول تو عدم کامیابی کی شکایت کیا اور اسکے ذمہ دار مشائخ کیوں۔ جب یہ امر مسلم ہے کہ دین یا دنیا کا کوئی چھوٹا یا بڑا کام بے اصولی سے انجام نہیں پا سکتا بلکہ ہر کام کیلئے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں جن کی رعایت ضروری ہوتی ہے پھر اس کلیہ سے آخر طریق ہی کیوں مستثنیٰ کر دیا گیا کہ اسکے لئے نہ کچھ اصول ہوں اور نہ قواعد۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ آج لوگوں کے نزدیک تصوف کی بس یہ حیثیت ہے کہ ؎ "یہ وہ جامہ نہیں کہ جس کا نہیں اُلٹا سیدھا" پھر ان اصول خمسہ مذکورہ (یعنی اکل حلال، حسن خلق، مجانبۃ الاضداد، عدم افترار باحسان اللہ اور زہد فی الدنیا) سے قطع نظر کیجئے کہ ان کا نمبر تو طریق میں داخل ہونے کے بعد آتا ہے لیکن ان سب سے مقدم سالک کے لئے جو اصل ہے یعنی صدق طلب اس کا جائزہ لیجئے تو آپکو معلوم ہوگا کہ آجکل کے سالکین میں یہ پہلی ہی شرط غائب ہے حالانکہ اسکے متعلق رسالۂ قشیریہ میں لکھا ہے کہ :-

فاول قدم للمرید فی هذه الطریقة	اس طریق میں مرید کا پہلا قدم صدق پر ہونا چاہیے
ینبغی ان یکون علی الصدق لیصح البناء	تاکہ اسکو ایک اصل صحیح پر بنا قائم کرنا ممکن ہو سکے
علی اصل صحیح فان الشیوخ قالوا انما	کیونکہ مشائخ نے کہا ہے کہ لوگ وصول سے اس
حرموا الوصول لتضییعهم الاصول۔	لئے محروم ہیں کہ انھوں نے اصول (طریق) کو
(قشیریہ ص۱۹۶)	ضائع کر دیا ہے۔

بہت سے طالبین جو مشائخ کی تلاش میں نکلتے ہیں اور جگہ جگہ جا کر مشائخ سے ملتے ہیں تو انمیں اکثر کے پیچھے آتے ہیں خود وہ اس پہلی ہی شرط سے صفر ہیں، اور اگر بعض میں کچھ طلب بھی ہوتی ہے تو ناقص جسکی وجہ سے انکو نفع کے بجائے کچھ نقصان ہی ہوتا ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

(جب پہلی ہی اینٹ طریق کی کج ہوگی تو اس پر قائم ہونے والی دیوار کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے)

گو یہ صحیح ہے کہ صدق دونوں ہی کی صفت ہے۔ شیخ کی بھی اور مرید کی بھی یعنی شیخ کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں صادق ہونا چاہئے اور مرید کو بھی اپنی ارادت اور طلب میں صادق ہونا چاہئے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ مریدین مشائخ سے تو صدق کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود اپنے کو بھول جاتے ہیں مشائخ میں تو صدق ضروری ہے لیکن مرید چاہے جیسا ہو جھوٹا ہو غیر طالب ہو یا غیر مخلص ہو۔ بہرحال اسکو طریق میں داخل ہی کر لیا جائے یہ آخر کیوں حالانکہ کسی چیز کا دوسرے سے مطالبہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ انسان اسے خود اپنے اندر پیدا کرے کیونکہ دوسرے کے فعل پر تو اختیار نہیں لیکن اپنے اوپر تو اختیار ہوتا ہے پھر یہ لوگ اس سے کیوں مستغنی ہو جاتے ہیں جب کہ مشائخ نے صدق ارادت ہی کو کلید کامیابی فرمایا ہے ؎

در ارادت باش صادق اے فرید — تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید ارادت و عقیدت میں سچے بنو تا کہ گنج عرفان کی کنجی پا سکو۔ ۱۲ رومی)

آج لوگ اس کلید کے بغیر ہی گنج عرفان کا قفل کھولنا چاہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے حاصل یہ کہ سالکین کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اندر صدق و خلوص پیدا کریں پھر اسکے بعد مشائخ میں اسکو تلاش کریں اور جب طریقے سے کوئی کام کیا جائیگا مثلاً صدق اور اخلاص کو لیکر مشائخ کی تلاش و جستجو کی جائیگی تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نہ کسی بندے سے ملاقات کرا ہی دینگے جس سے اسکا کام بن جائیگا ورنہ اگر بدون صدق اختیار کئے مشائخ کو تلاش کروگے تو اگر ساری عمر بھی تلاش کرتے رہوگے تب بھی کسی سچے سے تو بھینٹ ہوگی نہیں یوں تمہاری طلب کے مطابق اسی طرح کا کوئی مل جائے تو مل جائے بلکہ

فوری اندیشہ اسکا ہے کہ ایسا کرتے کرتے وہ بعض ایک کے پاس گئے اور اسکا انکار کیا دوسرے کے یہاں گئے اسکا انکار کیا اسی طرح کرتے کرتے) یہی انکار ہی لازم حال ہو جائے اور پھر اس کے بعد کوئی ملے ہی نہیں۔

یہ عدم صدق اور انکار جس کے متعلق تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے اس زمانہ میں ایک عام قلبی مرض ہو کر بزرگوں کے پاس آمد و رفت رکھنے والوں میں بکثرت پایا جاتا ہے لہذا جو لوگ کسی بزرگ سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں انکے لئے تو اس اصول کا لحاظ اور اہتمام نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ آج اس بات میں لوگوں سے بہت زیادہ کوتاہی ہو رہی ہے جس کا منشا زیادہ تر طریق و اہل طریق کے آداب سے ناواقف ہونا ہے اور اسی ناواقفیت کا اثر ہے کہ بزرگوں کے یہاں لوگ آتے جاتے ہیں اور بعضو برسوں تک آتے جاتے ہیں مگر جہاں تھے وہیں کے وہیں رہتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو ترقی معکوس کرتے ہیں تو وجہ اسکی یہی ہوتی ہے کہ وہ لوگ دراصل طلب ہی میں صادق نہیں ہوتے اور ارادت ہی میں غیر مخلص ہوتے ہیں جس کا ظہور کبھی کبھی کچھ مدت کے بعد ہوتا ہے ؎

تواں شناخت بیک روز در شمائل مرد ... کہ تا کجا است رسیدہ است پایگاہ علوم

یعنی انسان کے احوال میں سے اسکے علم کا اندازہ تو ایک روز میں ہو سکتا ہے کہ مبلغ علم کتنا ہے۔

ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو ... کہ خبث نفس نہ گردد بسالہا معلوم

لیکن اسکے باطن سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کیونکہ باطن کی خباثت سالہا سال معلوم نہیں ہوتی ۱۲ روی

عدم صدق ارادت کا اتنا زبردست روگ خود اپنے اندر لئے ہوتے ہیں اور پھر اس پر مشائخ سے نفع نہ ہونے کی شکایت کرتے ہیں ایسے ہی موقع کیلئے کہا گیا ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"

اسی سلسلے میں آپ سے ایک بات اور بیان کرنا چاہتا ہوں جو کم از کم میرے لئے تو ایک عقدہ لاینحل بن کے رہ گئی ہے باقی آپ حضرات کے نزدیک اس کا کوئی حل نکل سکے تو نکال لیجئے وہ یہ کہ

لوگ مشائخ کے یہاں جاتے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ انکے معتقد ہیں اور ان حضرات
کو کامل اور اپنے کو ناقص سمجھتے ہیں پس انکے پاس اپنا نقص دور کرنیکے لئے آتے ہیں لیکن مشائخ کے
یہاں جاکر انکے مخصوص معمولات میں بھی دخل دینے اور رائے لگانے سے باز نہیں رہتے حالانکہ انکو یہ
سمجھنا چاہیے تھا کہ جب ہم خود ناقص ہیں تو کسی ناقص کی رائے کب معتبر ہے اور حسب قاعدہ الرای
العلیل علیل انکی رائے بھی ناقص ہوگی پس اسکا اعتبار ہی کیا مگر انکا نقص ہی ان کو یہ سمجھنے
نہیں دیتا اسی کے سبب رائے دیتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے اعتراضات اور نکتہ چینیاں کرتے
ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکو ان حضرات کا پاس اعتقاد تو کیا پاس ادب بھی ملحوظ نہیں
اور یہ لوگ اپنے کو کامل سمجھتے ہیں اور ان حضرات کو ناقص۔ اور ایک ناقص کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ
اپنے کو کامل سمجھے اور کامل کو ناقص بتلائے کیونکہ اپنے کو ناقص سمجھنا تو نقص نہیں کمال کی
بات ہے ؎

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت — اندر استکمال خود دو اسپہ تاخت

(جس شخص نے اپنے عیب کو دیکھا اور پہچان لیا تو اپنے کو کامل بنانے کے لیے دوہرے قدم چل پڑا ۱۲ رومی)

اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کے ان مختلف افعال میں کیونکر تطبیق دیجائے نہ تو یہ سمجھ میں
آتا ہے کہ انکو معتقد سمجھا جائے کیونکہ اگر ایسا ہے تو اعتراض کیوں کرتے ہیں حالانکہ جسکی عظمت اور احترام
قلب میں ہو اسکے افعال پر نکیر کرنیکے کیا معنی اور اگر معتقد مانا جائے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر ان حضرات کے
پاس یہ لوگ آتے کیوں ہیں۔ اور زبان سے اور ظاہر سے اعتقاد کیوں ظاہر کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ
خود کامل ہیں تو انکو مشائخ کی حاجت ہی کیا ہے غرضکہ کوئی معقول بات سمجھ میں نہیں آتی اس قماش
کے لوگ یہاں بھی آجاتے ہیں اور بجائے کچھ حاصل کرنیکے اپنا ہی کچھ فیض مجھے پہنچا جاتے ہیں
(یعنی ایسی باتیں کر جاتے ہیں جن سے سخت ایذا ہوتی ہے)

باقی رہا یہ سوال کہ آخر لوگوں کو اس زمانے میں مشائخ سے یہ بدعقادی کیوں ہے اور لوگ انکی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ انکے معمولات پر نکتہ چینی اور انکے حالات پر انکار و اعتراض کیوں کرنے میں تو اسکی وجہ ایک یہ ہے کہ لوگ مشائخ کے احوال کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں (چنانچہ انکو مشائخ سے اسی قسم کی شکایت ہوتی ہے کہ انکا فلاں کام خلاف سنت ہے اور فلاں بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے خلاف ہے حالانکہ ان مسکینوں کو نہ سنت کی ہوا لگی ہے اور نہ یہ خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے آشنا ہیں۔ پھر بھلا مشائخ میں ان اخلاق کو کیونکر معلوم کر سکتے ہیں۔

تو نہ دیدی گہے سلیماں را   چہ شناسی زبانِ مرغاں را

(تونے کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھا نہیں تو پرندوں کی زبان تو بھلا کیا سمجھے گا۔ ۱۲ رومی)

لیکن اپنے اقوال اور احوال پر انکی نظر نہیں! نہ اسکا خیال کہ ہم کیسے ہیں اور نہ اسکی فکر کہ ہم کو کیسا ہونا چاہیے؟ اپنے حالات تو چاہے منافقین جیسے بنا کھے ہوں لیکن مشائخ سے مطالبہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے ہوں بلکہ یہ کہ اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ خیر یہ تو صحیح ہے کہ مشائخ کو کامل نمونہ اور اعلیٰ درجہ کا متبع سنت ہونا چاہیے مگر آپکو کیسا ہونا چاہیے کچھ اسکی بھی خبر ہے؟ حضرات صحابہ کرامؓ سے قطع نظر کیجیے لیکن کیا آجکل کے مریدین پہلے زمانہ کے مریدوں ہی جیسے بھی ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر غور کیجیے کہ یہ مطالبہ کہاں تک انصاف پر مبنی ہے؟ مشائخ کا معاملہ تو ان پر چھوڑیئے کہ وہ جیسے کچھ ہوں گے اپنے فعل کے خود ذمہ دار اور خدائے تعالیٰ کے یہاں جوابدہ ہونگے لیکن آپ تو پہلے اپنے حالات کو خیر القرون کے حالات کے مطابق کر لیجیے۔

قلب میں تو عظمت کا نہ ہونا اور زبان و جوارح سے خوش کن اقوال اور افعال کرنا کب دین میں داخل

رہا ہے۔ قرآن وحدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور شیوہ منافقین تھے۔

عن قتادہ رضی اللہ عنہ قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ التبوک وبین یدیہ اناس من المنافقین فقالوا ایرجو ھذا الرجل ان یفتح لہ قصور الشام وحصونھا ھیھات ھیھات فاطلع اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک فقال صلی اللہ علیہ وسلم احبسوا علی ھولاء الرکب فاتاھم فقال قلتم کذا قلتم کذا قالوا یا نبی اللہ انما کنا نخوض ونلعب۔

(از بیان القرآن ص۱۲۲ ج ۴)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کیلئے تشریف لے جارہے تھے اور آپ کے آگے منافقین کی ایک جماعت (بھی شرکت غزوہ کے لئے) جارہی تھی انلوگوں نے کہا دیکھو تو بھلا یہ شخص بھی شام کے محلات اور قلعوں کے فتح کرنیکا خواب دیکھ رہا ہے (معاذ اللہ) یہ تو نہایت ہی بعید اور قطعی ناممکن بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے اس قول پر (بذریعہ وحی) مطلع فرمادیا گیا آپ نے حکم دیا کہ اس جماعت کو ذرا روک تو لو اور اسکے پاس تشریف لیگئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی ایسا کہا ہے؟ کہنے لگے اے اللہ کے نبی ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کے طور پر کہہ رہے تھے۔

دیکھئے زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ تھا۔ دل میں تو وہ تھا جو اپنے دوستوں میں کہہ رہے تھے (یعنی غائبانہ) ایرجو ھذا الرجل جیسے الفاظ سے (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا گیا تھا مگر زبان پر اور سامنے آپکو یا نبی اللہ کہا جارہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اعتقاد اور باطنی بد اعتقادی یہ منافق کی صفت ہے۔ آج مشائخ کے یہاں جانیوالوں میں سے کہتے ہیں جو ظاہر کے مطابق اپنا باطن کرکے انکی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

تصدیق جو آج بھی طریق کی شرط اول ہی نہیں زمانہ میں اصل ہی کہی ہے۔ اسلام کی بھی اصل تصدیق ہی باقی دل تو تصدیق سے خالی ہو اور فقط اپنے ظاہر سے اپنے اعتقاد کا مدعی ہونا اور اسکی وجہ سے دوسروں پر اپنا امتیاز قائم کرنا۔ چنانچہ مشائخ کے یہاں بھی جاکر بس انکو ہنس ہنسکر دیکھنا اور گردن ہلا ہلا کر انکی باتوں کو سننا کب سے

تصدیق شمار کی جانے لگی ہے اور طریق میں یہ امور کہاں سے داخل ہو گئے ہیں؟ کیا تصدیق دل کے ہوتے ہوئے انکار و اعتراض کا بھی کوئی شائبہ پایا جا سکتا ہے؟ اگر انکار یا اعتراض ہو تو سمجھ لیجئے کہ قلبی تصدیق ہی حاصل نہیں ہے۔ اس پر حدیث شریف کا ایک واقعہ اور سن لیجئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے وہاں کسی شخص کی ایک اونٹنی گم ہو گئی لوگوں نے ہر چند تلاش کیا مگر نہیں ملی اس پر ایک منافق نے استہزاءً اور انکاراً کہا کہ یہ تو اپنے کو اللہ کا نبی کہتے ہیں بتلا کیوں نہیں دیتے کہ وہ اونٹنی کہاں ہے؟ اس بات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میں اس کا دعویٰ کب کرتا ہوں کہ غیب کی سب باتوں کا مجھے علم ہے اگر میں غیب دانی کا مدعی ہوتا تو مجھ سے اس قسم کی بات کہہ سکتے تھے لیکن میں تو خبر دیتا ہوں کہ وہ اونٹنی فلاں جھاڑی کے پاس کھڑی ہے۔ وہاں ایک خاردار درخت کے کانٹوں سے اسکی مہار اُلجھ گئی ہے جسکی وجہ سے وہ وہیں ٹھہری ہوئی ہے لوگ اس پتہ پر گئے تو جا کر دیکھا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا ٹھیک اسی طرح سے وہ اونٹنی کھڑی ہوئی تھی اسکو لے آئے یہ واقعہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک کا تھا لیکن آج بھی ان منکرین و معاندین کا مشائخ اہل حق کے ساتھ بالکل وہی برتاؤ ہے جو اس زمانہ میں منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ انکار کرتے ہیں اور حقیقت حال اپنی آنکھوں سے جا دیکھ لیتے ہیں تب بھی تصدیق نہیں کرتے۔ میں تلاش میں تھا کہ اس واقعہ میں پھر اس منکر کا کیا حال ہوا اب بھی ایمان لایا کہ نہیں تو کسی کتاب میں دیکھا کہ پھر وہ ایمان لے آئے اور نفاق سے توبہ کر کے مخلص مسلمانوں میں سے ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

ایک وجہ تو مشائخ سے عدم نفع کی یہ تھی جو مذکور ہوئی۔ علاوہ اس کے ایک دوسری

بڑی وجہ یہ لوگوں کو ان حضرات سے فائدہ نہ پہنچنے کی یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں نے (بالخصوص اہل علم حضرات نے) یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف کی تمام باتیں تو علماء و مشائخ نے کتابوں میں لکھدی ہیں وہی ہمارے لیے کافی ہیں۔ یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بس خود کتابوں کا مطالعہ کر کے سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں اب اسکے بعد ہمیں مشائخ کے یہاں جانے کی چنداں حاجت ہی نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ یہ وہ ضرر عظیم ہے جو آج لوگوں کو کتابوں سے پہنچا ہے۔ حالانکہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں تصوف کے مسائل بیان فرمائے ہیں اسکی تصریح بھی فرماتے ہیں کہ تصوف کی کتابیں شیخ کیلئے ہیں مرید کیلئے نہیں ہیں جس طرح سے کہ طب کی کتابیں طبیب کے لیے ہیں مریض کیلئے نہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض بعض حضرات نے تو اسکی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ہماری ان کتابوں کو کوئی نا اہل دیکھے نہیں۔

چنانچہ ان حضرات نے اپنی الگ اصطلاحات مقرر کیں جنکے پردہ میں کلام کیا اور یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ ہر کس و ناکس انکے مطالعہ کی ہوس ہی نہ کرے مگر باوجود ان سب احتیاط و انتظامات کے لوگوں نے ان حضرات کی کتابوں کو دیکھا اور بہت سے لوگ تو محض کتابوں ہی کی وجہ سے مرشد و شیخ بن گئے اور انکے اس فعل کا ضرر مشائخ اور مریدین دونوں ہی طبقوں کو پہنچا۔

مریدین کا ضرر تو ظاہر ہے کہ یہ ہوا کہ جب ایسے لوگ مدعی ہو گئے مشیخت کے اور شیخ ہونے سے پہلے ہی شیخ بن بیٹھے تو مریدین کا تو بیڑا ہی ہو گیا اور اب سوا ہلاکت کے انکا انجام ہی کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن مشائخ کا ضرر یہ ہوا کہ لوگ ایسے لوگوں کو مسند شیخوخیت پر دیکھ کر انسے بدظن ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ عام مشائخ کے بلکہ طریق تک کے منکر ہو گئے جسکے بعد اہل حق کو اپنا اعتبار قائم کرنا مشکل ہو گیا اور اسکی وجہ سے رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کے باب میں جس درجہ تضییق اور رکاوٹ ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

اسی طرح آج ایک وجہ مشائخ سے نفع نہ ہونے کی یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر کیفیات

کے پیدا ہونے نہ ہونے کا ذمہ دار شیخ کو سمجھتے ہیں جو سراسر غلط اور باطل خیال ہے کیونکہ کیفیت پیدا ہونے کا ذمہ دار خود مرید ہی ہے شیخ نہیں ہے اس لئے کہ امراض بدنی میں تو معالِج اور ہوتا ہے اور معالَج اور مثلاً وہاں معالَج مریض ہوتا ہے اور معالِج طبیب لیکن طریق (یعنی اصلاح باطن) میں معالِج اور معالَج دونوں ایک ہی ہوتا ہے یعنی انسان کا نفس ہی معالِج ہوتا ہے اور وہی اپنا معالَج بھی ہوتا ہے اور اس ایک ہی ذات کے معالِج اور معالَج ہونے میں فرق صرف اعتباری ہے یعنی نفس میں چونکہ دو قوتیں ہوتی ہیں فعلیہ اور انفعالیہ پس اول کی رو سے تو وہ معالِج ہوتا ہے اور ثانی کے رو سے وہی معالَج ہوتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ظہور العدم بنور القدم میں ایک مقام پر ضمناً بیان فرمایا ہے چنانچہ بطور مثال فرماتے ہیں کہ جیسے اپنے نفس کے معالجات نفسانیہ میں معالِج اور معالَج کا توافر ہے۔" پھر اس کے کچھ دور بعد کسی کا قول نقل کیا ہے کہ :۔

ان الامر فیما نحن فیہ لیس کما فی المعالج والمعالج بحیث یوخذ فی الاول حیثیۃ القوۃ الفعلیۃ وفی الثانی حیثیۃ القوۃ الانفعالیۃ

یعنی معاملہ اس بارے میں ویسا نہیں ہے۔ جیسا کہ معالِج اور معالَج میں ہوتا ہے

(ظہور العدم بنور القدم)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معالجات نفس میں نفس ہی معالِج ہوتا ہے اور نفس ہی معالَج ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ معالجۂ نفس خود مرید ہی کے ذمہ ہے

... اگرچہ شیخ کے لئے ایک ہونا ...
رہا شیخ تو اگر وہ صاحب تصرف ہے تو اپنے تصرف کے ذریعہ ورنہ اپنی تعلیم و تربیت ہی کے ذریعہ جو طریقہ [illegible] تلقین فرمائے یہ محض اس کا تبرع ہے اصلاح کا اصل ذمہ دار مرید ہی ہے۔ احوال و کیفیات کی تحصیل کے لئے اسی کو کام کرنا ہوگا۔

آج طریق کے متعلق جہاں اور بہت سی جہالت اور غلط فہمی پائی جاتی ہیں انھیں کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں نے نفع کا ذمہ دار شیخ کو قرار دے لیا ہے الد میں تو کہتا ہوں کہ یہ ان کی جہالت یا غلط فہمی نہیں ہے بلکہ یہ مریدین کی ہوشیاری ہے کہ خود تو کچھ کرنا ورنا نہیں چاہتے اور چاہتے ہیں کہ بس پکا پکایا مل جائے اور ان کا یہ خیال بالکل ایسا ہی ہے جیساکہ آج کل کے آزاد خیال لڑکے بھی بس یہی چاہتے ہیں کہ نکمے اور کاہل ہو کر پڑے رہیں زیادہ سے زیادہ دوست احباب کے ساتھ رہ کر ادھر اُدھر کی لغویات میں وقت گزاریں اور بوڑھے باپ کی کمائی کھاتے رہیں۔ وہ کما کما کر ان کو دیا کریں اور یہ من مانا خرچ کیا کریں اور اگر اس نے کبھی کچھ کہہ دیا تو پھر اس کے پورے مخالف اور معاند ہو جاتے ہیں۔ یہی حال آجکل کے مریدوں کا ہے کہ مشائخ سے نفع حاصل کرنا تو چاہتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ اگلے زمانے کے مریدوں نے کیسے کیسے مجاہدے کئے ہیں اور اپنے شیخ کے ساتھ کتنی عقیدت اور کیسی کچھ محبت کا ثبوت دیا ہے تب جا کر ان کو کچھ ملا ہے۔ اور یہ نفع میں تو ان کے شریک ہونا چاہتے ہیں مگر محنت اور مجاہدہ میں دور رہنا چاہتے ہیں۔ اسی کو میں ہوشیاری کہتا ہوں۔ اب آپ چاہے اسکو ہوشیاری کہیے یا ناواقفیت بہرحال یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مرید کے احوال و کیفیات کا ذمہ دار شیخ ہے۔ کیفیات اور احوال و اعمال و افعال

کے تابع ہوتے ہیں جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نفع ہوگا۔ پس نفع حاصل کرنے کے لئے تو مرید ہی کو کام کرنا ہوگا۔ اسی کو بد اخلاقیوں کو چھوڑنے کے لئے مجاہدہ بھی کرنا پڑے گا اور اسی کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور محبت پیدا کرنے کے لئے ذکر و فکر بھی کرنا ہوگا باقی کرنا ورنا خاک نہیں اور ادھر ادھر کی بے کار باتیں بنانا اور بہانے اختیار کرنا۔ اس سے کچھ نفع نہیں۔ دنیا اور آخرت میں کام آنے والی چیز اپنا حسن اخلاق اور حسن عمل ہے اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی — نہ کہ حسن کلام سے ہوگی
فکر اور اہتمام سے ہوگی — ذکر کے التزام سے ہوگی

ولنعم ما قیل ؎

کار کن کار بگزر از گفتار — کاندریں راہ کار باید کار

بس اب اس دعا پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ والباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللھم ارنا الاشیاء کما ھی اللھم اھدنا وسددنا واقول کما قال مولینا الرومی رح فی دعائہ ؎

لا تزغ قلبا ھدیت بالکرم — واصرف السوء الذی خط القلم

۲۸ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ یکشنبہ

مصلح الامت حضرت مولینا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مصنفات ایک نظر میں

نمبر شمار		پیسے	روپیہ	نمبر شمار		پیسے	روپیہ
۱	وصیۃ الاحسان	۰	۳	۸	ادائے حقوق مع تلاش مرشد	۵۰	۰
۲	وصیۃ الاخلاق	۲۵	۲	۹	اصول النادرہ مع فوائد صحیحہ	۵۰	۰
۳	وصیۃ الاخلاص	۲۵	۱	۱۰	وصیۃ السالکین مع مسنون دعائیں	۵۰	۰
۴	النسبت صوفیہ	۷۵	۱	۱۱	توقیر العلماء مع ضرورت علم	۵۰	۰
۵	تلاوت قرآن	۰	۲				
۶	تحذیر العلماء مع ضمیمہ	۵۰	۰	۱۲	حج رب البیت	۵۰	۰
					اخوت	۵۰	۱
۷	ایجادات کی حقیقت	۵۰	۰	۱۳	عاقبۃ الانکار	۵۰	۰

۱۴- ارتفاع الضیق مع الامر الفارق ۰/۵۰

۱۵- مفتاح الرحمۃ مع راہ صفا ۰/۵۰

تصوف کی مشہور و معروف کتاب دو کتابیں ضرور مطالعہ میں رکھیں

اکمال الشیم ۴/۵۰

فضائل الایام والشہور ۲/۲۵

زیر نگرانی منشی رفیق احمد نور جوی یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپی

وصیۃ الاخلاص

50 Paise

Cumin Art BOMBAY-9